© rasailojaraid.com

مولائے روم

از جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت لکچرر عثمانیہ کالج اورنگ آباد

یہ مقالہ گلستان ادب حیدرآباد دکن کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۵ رجون ۵۳ء میں پڑھا گیا

ارباب گلستانِ ادب کا حکم ہے کہ میں اس موقع پر حضرت مولائے روم پر کچھ عرض کروں اسے بھی مولائے روم کا ایک تصرف سمجھنا چاہیئے کہ عین اس وقت جب کہ مولائے روم کے وصال پر پورے سات سو سال گذر چکے ہیں (۵ رجمادی الآخر ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۰ رفروری ۱۹۵۳ء کو مولائے روم کی وفات پر پورے سات سو سال ہوگئے) اور ترکی، ایران، افغانستان اور ہند و پاکستان، فرانس، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے بعض مقاموں پر ان کی یہ سات سویں برسی بڑے دھوم دھام سے منائی جارہی ہے مجھے اس موضوع پر کچھ عرض کر کے حصول خیر و برکت کی عزت بخشی جارہی ہے۔ ارباب گلستان ادب نے حضرت مولائے روم پر کچھ سننے کی خواہش غالباً اس لئے کی ہے کہ وہ بھی ہماری موجودہ نسل کے ہزاروں لاکھوں افراد کی طرح شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے کلام سے متاثر ہوئے ہیں اور علامہ اقبال نے اپنے کلام میں مولائے روم سے راست استفادہ کا بار بار ذکر کیا ہے۔ جاوید نامہ میں آپ پڑھتے ہیں کہ مولائے روم کی روح ان پر آشکارا ہوتی ہے اور اپنی قیادت میں انھیں ہفت افلاک کی سیر کراتی ہے۔ ابتدا ہی میں وہ مولائے روم کا تعارف اس طرح کراتے ہیں ؎

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید ‌ ‌ از پسِ کُہ پارہ آمد پدید

طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب ‌ ‌ او فرخندہ چوں عہد شباب

پیکرے روشن ز نورِ سرمدی ‌ ‌ در سراپایش سرورِ سرمدی

بر لبِ او سرِ پنہانِ وجود ‌ ‌ بند ہائے حرف و صورت را کشود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرف او آئینہ او ریختہ علم با سوزِ درون آمیختہ

پھر بالِ جبرئیل میں ہمیں وہ مشہور مکالمہ ملتا ہے جس میں شاعرِ مشرق مریدِ ہندی کے روپ میں مولائے روم سے مختلف موضوعات پر سوال کرتے ہیں اور مولائے روم "پیرِ رومی" کی حیثیت سے ان کے شافی جواب دیتے جاتے ہیں۔ اسی مجموعہ میں "یورپ سے ایک خط" والی نظم میں فرماتے ہیں ؎

تو بھی ہے اسی قافلۂ شوق میں اقبال جس قافلۂ شوق کا سالار ہے رومی

اور پھر ایک جگہ ارشاد فرماگئے ہیں ؎

گسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز ابتک کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز ابتک

ارمغانِ حجاز میں جو شاعرِ مشرق کے کلام کا آخری مجموعہ ہے، مولائے روم سے اکتسابِ فیض کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

مئے روشن ز تاکِ من فرو ریخت خوشا مردے کہ در دامانم آویخت

نصیب از آتشے دارم کہ اول سنائی از دلِ رومی برانگیخت

شاعرِ مشرق نے مشرقی اور مغربی فلسفہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا، لیکن اس مطالعہ سے ان پر کوئی چیز نہ کھلی، انھیں جو کچھ ملا وہ پیرِ رومی ہی سے ملا ہے، فرماتے ہیں ؎

مرا از منطق آید بوی خامی دلیلِ او دلیلِ ناتمامی!

برویم بستہ در ہا را کشاید دو بیت از پیرِ رومی یا ز جامی

علامہ اقبال کے نقادوں اور شارحوں کا خیال ہے کہ مولائے روم کا کوئی حقیقی جانشین اور ان کا کوئی حقیقی خلیفہ پیدا ہوا تو وہ سوا چھ سو سال کے بعد ہند میں حضرت اقبال کی ذات میں پیدا ہوا۔ خود علامہ اقبال کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ عصرِ کہن کے فتنہ میں جو کام مولائے روم نے کیا تھا وہی کام انھوں نے فتنۂ عصرِ رواں میں کیا ہے، فرماتے ہیں ؎

چو رومی در حرم دادم اذاں من ازو آموختم اسرارِ جاں من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

به دور فتنهٔ عصر کهن او ! به دور فتنهٔ عصرِ روان من

کہیں وہ مشورہ دیتے ہیں کہ مولائے روم کے اشعار حریم دل میں آویزاں کیے جائیں، فرماتے ہیں ؎

بکام خود دگر آں کہنہ مے ریز که با جامش نیرزد ملک پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی! بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

کہیں رومی سے اسرار فقیری سیکھنے کی دعوت دیتے ہیں ؎

ز رومی گیر اسرارِ فقیری که آں فقر است محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویشی که از وے رسیدی بر مقامِ سربزیری

کہیں بڑے درد سے دعا مانگتے ہیں ؎

عطا کن شورِ رومی سوزِ خسرو عطا کن صدق و اخلاصِ سنائی

کلام اقبال میں یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد آپ کے دل میں مولانا جلال الدین رومی کے حالات اور ان کا پیام جاننے کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، آئیے اب کچھ دیر اس حکیم نے نواز کی صحبتِ فیض اثر میں بسر کریں اور اس کے جان بخش نغموں سے ایک نئی زندگی حاصل کریں، کیونکہ ؎

ضمیرا مشاں رامی کند پاک کلیمے یا حکیمے نے نوازے!

ایران کے بلند پایہ صوفی شعرا کا وہ سلسلہ جو سنائی، عطار، حافظ، شیخ شستری، سعدی خسرو اور عراقی سے شروع ہو کر مولانا عبدالرحمٰن جامی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں مولانا جلال الدین رومی ایک امتیازِ خاص کے حامل ہیں۔ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو آپ کی ولادتِ باسعادت شہر بلخ میں ہوئی جو آج کل سلطنت خداداد افغانستان میں شامل ہے۔ لیکن اس زمانے میں یہ شہر ایرانی ممالک کا ایک حصہ اور ایرانی ادبیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مولانا نسباً صدیقی ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے جا کر مل جاتا ہے اور ایک عرصے سے آپ کے آباء و اجداد ہجرت کر کے ایران میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے والد سلطان العلماء محمد بن حسین الخطیبی ملقب بہ بہاء الدین ولد حسب روایت علاءالدین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوارزم شاہ کے داماد تھے اور اپنے زمانے کے اونچے پائے کے عالموں اور عارفوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے اور آپ کو خوارزم شاہ کے دربار میں بڑا تقرب حاصل تھا۔ کہتے ہیں جب آپ کے زہد و تقویٰ کی شہرت بڑھی اور مریدوں کی کثرت سے آپ کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا تو خوارزم شاہ کو آپ کی طرف سے ایک گونہ بدگمانی پیدا ہوگئی اور در پردہ وہ آپ کا دشمن ہو گیا ادھر تصوف کے مخالفوں نے بھی آپ کے خلاف سر اٹھایا اور ان کے بھڑکانے پر بلخ کے باشندے آپ کے درپے آزار ہوگئے۔ وطن والوں کی یہ بے مہری دیکھ کر آپ نے مجبوراً وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے صاحبزادے مولانا جلال الدین کو ساتھ لے کر بغداد کے راستے سفر حج کیا۔ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کی تالیف کردہ مثنوی کے بعض اشعار کی رو سے یہ سفر فتنۂ مغول کے ظہور کے وقت اختیار کیا گیا تھا۔ غالباً اس وقت یہ فتنہ کافی رنگ لا چکا تھا قیاس ہے یہ سفر ۶۱۷ھ کے لگ بھگ اختیار کیا گیا ہوگا۔ اس لحاظ سے اس وقت مولانا جلال الدین کی عمر چودہ سال کے قریب ہوگی۔

کہتے ہیں کہ مولانا بہاؤالدین ولد نے نیشاپور میں شیخ فریدالدین عطار کی بھی زیارت کی ~~بھی بیعت~~ کی اس ملاقات کے وقت مولانا جلال الدین رومی بھی موجود تھے شیخ فریدالدین عطار نے مولانا جلال الدین رومی کو اپنے سینے سے لگایا دعا دی اور انھیں اپنی لکھی ہوئی مثنوی "اسرار نامہ" تحفۃً عطا کی۔ بغداد سے روانہ ہوکر حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد مولانا بہاؤالدین ولد ملاطیہ پہنچے اور اسی شہر میں چار سال تک اقامت گزیں رہے اس کے بعد آپ لارندہ آئے جو اس زمانہ میں سلاجقۂ ایشیائے کوچک کا ایک حکومتی مرکز تھا اس شہر میں بھی آپ سات سال تک مقیم رہے اس کے بعد آپ سلاجقۂ ایشیائے کوچک کے بارھویں بادشاہ علاءالدین کیقباد (۶۱۷ - ۶۳۴ھ) کی دعوت پر اس کے پایہ تخت قونیہ پہنچے۔ قونیہ پہنچکر آپ نے رشد و ہدایت کی مسند پر قدم رکھا اور آپ کے انفاس کی برکت سے ایک عالم فیضیاب ہونے لگا۔ خود علاءالدین کیقباد آپ سے غیر معمولی ارادت رکھتا تھا آپ نے قونیہ ہی میں ۶۲۸ھ کے قریب انتقال فرمایا۔

مولانا جلال الدین نے ابتدائی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ والد کی وفات کے ایک سال بعد جب سید برہان الدین محقق ترمذی جو آپ کے والد کے خاص شاگرد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبوب خلفاء میں شمار ہوتے تھے، قونیہ آئے تو مولانا جلال الدین نے ان کی مجالسِ درس سے بھی کسبِ فیض کیا اور پورے نو سال تک اس مردِ عارف کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد مولانا نے سیاحت، اکتسابِ معرفت، اور اصحابِ طریقت سے فیضِ صحبت حاصل کرنے کے لئے شام کا سفر اختیار کیا۔ ایک عرصہ تک آپ حلب اور دمشق میں اقامت گزین رہے اور معنوی تجارب اور علمی اکتسابات کی ایک دنیا لئے قونیہ لوٹے اور یہاں آکر سلطان کیقباد کے حکم پر اپنے والد کی طرح علوم شرعی کی تعلیم اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، اس طرح وہ اپنے اس مبارک کام میں مشغول تھے کہ حسنِ اتفاق سے آپ کی ملاقات ایک اوتادِ زمانہ اور نوادرِ دوراں سے ہوگئی۔ اس ملاقات نے مولانا جلال الدین کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ یہ شمس الدین بن علی بن ملک داد تبریزی کی ذات تھی جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے صوفی اور مجذوب پیر تھے۔ آپ اپنے انفاس میں عشقِ حقیقی کی بے پایاں گرمی، اپنی ذات میں ایک زبردست کشش اور اپنے بیان میں غیر معمولی اثر رکھتے تھے ایک شہر سے دوسرے شہر تک راہ پیمائی کرتے اور اہلِ راز عارفوں اور درویشوں کے دل میں آتشِ شوق بھڑکاتے ۶۴۲ھ کے لگ بھگ آپ مولانا جلال الدین کی تلاش میں قونیہ پہونچے ایک ہی نظر میں مولانا جلال الدین کے گداختہ اور گداز دل میں عشق و مستی کا شعلہ بھڑکا اور سوجان سے آپ شمس تبریز کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ آخر عمر تک انھیں اپنا روحانی پیشوا اور ہادی و رہنما مان لیا جس ادب اور جس احترام کے ساتھ مولانا نے اپنے اشعار و اقوال میں اپنے آپ کو شمس تبریزی سے نسبت دیتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی صحبت نے مولانا کے جہانگیر دل پر بڑا زبردست اثر کیا تھا۔ ذیل کے اشعار جو مثنوی کے دفتر اول سے انتخاب کئے گئے ہیں اس دعوے کے بہترین شاہد ہیں ؎

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است — آفتاب است و ز انوارِ حق است

این نفس جان دامنم بر تافتست — بوی پیراہان یوسف یافتست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کز برای حق صحبت سالہا — باز گو رمزی از آں خوش حالہا
من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست — شرح آں یاری کہ آں را یار نیست
خود ثنا گفتن ز من ترکِ ثناست — کایں دلیلِ ہستی و ہستی خطاست
شرح ایں ہجران و ایں خونِ جگر — ایں زماں بگذار تا وقتِ دگر
گفتمش پوشیدہ خوشتر سرِ یار — خود تو در ضمنِ حکایت گوش دار
خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں — گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

جیسا کہ ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے مولانا جلال الدین نے مثنوی کی حکایتوں کی شرح اور تصوف کے معانی کے بیان میں اپنے پیر و مرشد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اور ان کی یاد سے ایک جوش و ولولہ اور ایک وجد و طرب کی کیفیت ان پر طاری ہوگئی ہے ان کا نام کہیں نہیں لیا ہے اور اسرارِ عرفاں اور رموزِ ایماں کو حدیثِ دیگراں کے پردے میں بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ مولانا نے ایک مدت اس عارفِ سوختہ و سوزندہ کے ساتھ خلوت میں ان کے فیضِ صحبت میں بسر کی۔ اس دوران میں کچھ دنوں کے لئے شمس تبریزی نے دمشق کا سفر بھی کیا، لیکن پھر لوٹ کر قونیہ آگئے اور مولانا جلال الدین کی آتشِ عشق کو شعلہ در بنانے میں مشغول ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ شمس تبریزی نے مقام وجد و شوق میں عنانِ اختیار اپنے ہاتھ سے دے دی اور مضمراتِ درون کو برملا کہنے لگے تھے اور عوام کے سطحی عقائد پر تنقید کرنے میں بے باک ہوگئے تھے اور بے محابہ اسرار کو فاش کرنے لگے تھے۔ ان کی سماع و وجد و طرب کی محفلیں بے باکانہ منعقد ہونے لگی تھیں۔ اس لئے روایت ہے کہ ان کے بہت سے دشمن پیدا ہوگئے تھے ایک دن قونیہ کے عوام نے شورش کر کے ان کو مجمع عام میں قتل کر ڈالا (۶۴۵ھ)۔ اس حادثہ میں مولانا کے سب سے بڑے فرزند بھی سخت زخمی ہوئے اور زخموں سے جانبر نہ ہوسکے لیکن مولانا روم کی غزلیات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شمس تبریزی ایک روز غائب ہوگئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مولانا دو سال تک شب و روز اپنے کعبۂ مقصود کے فراق میں گھلتے رہے۔ اس کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، لیکن اس کا پھر پتہ نہ پا سکے۔

اس حادثہ کے بعد ہی مولانا جلال الدین نے ریاضت اور عالم عرفان کے تجارب میں بہت ہی اونچا مرتبہ حاصل کیا اور اس مسلک کے قطب مانے گئے۔ آپ کے پہلے خلیفہ صلاح الدین زرکوب ہوئے مولانا نے ان کی طرف خاص توجہ فرمائی اور ان کے حال پر آپ کی غیر معمولی شفقت کی وجہ سے وہ مولانا کے تمام مریدوں کے محسود بن گئے تھے۔ دس سال تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔ ان کے علاوہ یعنی ۶۵۷ھ میں مولانا نے حسام الدین حسن بن محمد بن حسن کو خلافت عطا فرمائی۔ آپ مولانا کی زندگی میں گیارہ سال تک مولانا کے خلیفہ اور مولانا کی وفات کے بعد بارہ سال تک آپ کے جانشین رہے۔

حسام الدین مولانا کے خاص مریدوں میں تھے اور مولانا نے ان کی طرف خاص توجہ فرمائی تھی۔ مولانا نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ طریقت کے تمام مراحل طے کر چکے تھے اور علم و تقویٰ اور معرفت میں بہت اونچے مرتبے پر فائز ہو چکے تھے اور ان کا قول اپنے پیر و مرشد کے حضور میں نہایت درجہ مقبول اور اثر پذیر تھا۔ چنانچہ یہ ان کی تحریک اور تشویق کا نتیجہ تھا کہ مثنوی مولوی معنوی جو تصوف کا شاہکار ہے عالم وجود میں آئی۔ مولانا حسام الدین نے ۶۸۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد خلافت مولانا کے فرزند سلطان ولد کو ملی اور وہ تیس سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

مثنوی معنوی مولانا جلال الدین کے افکار عالیہ کا گراں بہا ثمر ہی نہیں بلکہ فارسی زبان میں تصوف کا مکمل ترین دیوان ہے۔ اس میں چھ دفتر ہیں اور اشعار کی تعداد چھبیس ہزار ہے اور پوری مثنوی بحر رمل میں لکھی گئی ہے۔ مثنوی کے دفتر اول کی ابتدا کس تاریخ سے ہوئی یہ ٹھیک طور پر معلوم نہیں۔ لیکن اس دفتر کے اختتام کے کوئی دو سال بعد دوسرا دفتر شروع ہوا دوسرے دفتر کی تالیف کی تاریخ ۶۶۲ھ ہے۔ اس لحاظ سے دفتر اول کی ابتدا ۶۵۷ھ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنہ ۶۶۰ھ کے درمیان آتی ہے کیونکہ حسام الدین سنہ ۶۵۷ھ میں منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ اس دو سالہ وقفہ کی وجہ مولانا کے ملہم اور مشوق حسام الدین کی بیوی کی وفات کا اندوہ وغم تھا اس غم نے استاد و شاگرد دونوں کو دل گرفتہ کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ناگہانی مصیبت کی وجہ سے حسام الدین نے گوشہ نشین ہو کر ریاضت اور اعتکاف کی زندگی اختیار کر لی تھی، دفتر دوم کے ابتدائی اشعار اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

مدتی این مثنوی تاخیر شد — مہلتی بایست تاخوں شیر شد
چوں ضیاء الحق حسام الدین عنان — باز گردانید ز اوج آسمان
چوں بمعراج حقایق رفتہ بود — بی بہارش غنچہ ہا نشگفتہ بود
چوں ز دریا سوی ساحل بازگشت — چنگ شعر مثنوی باساز گشت
مطلع تاریخ این سودا و سود — سال ہجرت ششصد و شصت و دو بود

ان اشعار سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حسام الدین اپنے پیر و مرشد کے دل میں ذوق و شوق پیدا کرنے میں کتنا زبردست اثر رکھتے تھے۔ مثنوی کا دفتر سوم بھی مولانا اسی طرح حسام الدین کے نام سے شروع کرتے ہیں ؎

ای ضیاء الحق حسام الدین بیار — این سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

دفتر چہارم کے آغاز پر پھر ایک بار مولانا جلال الدین اپنے شاگرد رشید اور مرید سعید حسام الدین کی تاثیر معنوی کو اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

ای ضیاء الحق حسام الدین تو ئی — کہ گذشت از مہ بنورت مثنوی
ہمت عالی تو ای مرتجا — می کشد این را خدا داند کجا
گردن این مثنوی را بستہ — می کشی آنجا کہ تو دانستہ
مثنوی را چوں تو مبدا بودہ — گر فزوں گردد تو اش افزودہ

دفتر پنجم کے مطلع میں بھی ایسے ہی خیالات کی تکراریوں فرماتے ہیں ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہ حسام الدین کہ نور انجم است — طالب آغاز سفر پنجم است

ای ضیاء الحق حسام الدین راد — اوستادان صفا را اوستاد

دفتر ششم جو مثنوی کا آخری دفتر ہے، اس کی ابتدا بھی حسام الدین ہی کے نام سے فرماتے ہیں ؎

ای حیاتِ دل حسام الدین بسی — میل می جوشد بقسم سادسی

گشت از جذب چو تو علامہ — در جہاں گردان حسامی نامہ

مثنوی معنوی میں مسلسل منظوم حکایتیں ہیں، ان حکایتوں کو بیان کرکے مولانا ان سے دقیق عرفانی نتائج اخذ کرتے اور حقائقِ معنوی کو سیدھی سادی زبان میں از راہِ تمثیل بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح وہ قرآن شریف کی بہت سی آیتوں اور احادیث نبوی کی شرح صوفیانہ طرز پر کرتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ مثنوی شریف تصوف میں اولین مثنوی نہیں اس سے پہلے شیخ سنائی اور شیخ عطار جیسے عارف شاعروں نے صوفیانہ عقائد کی شرح میں مثنویاں تصنیف کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارفانہ مثنویاں اور ان کے مصنف دونوں مولانا جلال الدین کے پیش نظر تھے اور انھیں وہ اپنا استاد مانتے تھے، اسی لئے تو فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت — ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا خود اپنا ایک مستقل رنگ اور اپنا الگ ہی لحن رکھتے ہیں۔ انھوں نے شعر تصوف میں اپنا دلکش و بلند و بالا قصر سب سے الگ ہی تعمیر کیا ہے اور اس قصر رفیع پر خود ان کا اپنا پرچم لہرا رہا ہے،

مثنوی کے بعد مولانا کی سب سے اہم تصنیف ان کی غزلیات کا مجموعہ ہے جو دیوان شمس تبریز کے نام سے جمع کیا گیا ہے۔ اس دیوان کو انھوں نے اپنے مرشد اور روحانی پیشوا کے نام سے منتسب کیا ہے۔ اس دیوان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے اور چھپے ہوئے دیوان میں پچاس ہزار شعر ہیں۔ غالباً بعد کے لوگوں نے اپنی طرف سے اس میں اضافہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردیا ہے۔

مثنوی اور دیوان کے سوا نثر میں مولانا کی ایک کتاب فیہ مافیہ بھی موجود ہے۔ یہ مولانا کے اقوال کا مجموعہ یعنی آپ کے ملفوظات ہیں۔ یہ اقوال معین الدین پروانہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمائے گئے ہیں جو اپنے استاد کے حلقہ درس کے پروانے تھے۔ اس کتاب میں صوفیانہ مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ مولانا کے بعض مکتوبات اور مقالات بھی ملتے ہیں۔ ان سب میں وہی صوفیانہ نکات بیان کئے گئے ہیں جو تفصیل سے مثنوی میں آئے ہیں۔

مولانا جلال الدین نے پچھلے سات سو سالوں میں مغرب اور مشرق کے اذہان پر بڑا زبردست اثر ڈالا ہے۔ آپ کے پیروؤں اور ان کے مسلک کے ماننے والوں کی گنتی بے شمار ہے۔ آپ کا معنوی اور ادبی اثر نہ صرف ہندوستان اور ایشیائے کوچک میں اپنے عروج پر ہے بلکہ آپ کی شہرت مغربی ممالک میں بھی پھیل چکی ہے اور ان ملکوں کی مختلف زبانوں میں مثنوی کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ مثنوی کی شرحیں بھی بہت لکھی گئی ہیں۔ ان میں کمال الدین خوارزمی کی فارسی شرح ایران میں، ترکی میں اسماعیل بن احمد کی شرح اور ہندوستان میں مولانا بحرالعلوم کی شرح بہت مشہور ہے۔ مولانا نے ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ میں بمقام قونیہ وفات پائی اور اپنے والد کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

مولانا کے بعد آپ کا سلسلہ ہی مولویہ کہلانے لگا اور اس سلسلہ کے لوگوں نے طریقت کے ایک نئے مسلک کی طرح ڈالی۔ ترکی میں اس سلسلہ کے درویشوں کے رقص و سماع کی کسی زمانے میں خاصی شہرت تھی۔ کمالی دور کی آندھی نے ان درویشوں کو تتر بتر کردیا اور حد یہ ہوئی کہ آپ کے مزار مبارک پر تالے لگادئے گئے۔ یہ آندھی جب ذرا تھمی تو حکومت نے آپ کے مزار کے بند دروازے پھر سے کھولے اور ٹکٹ کے ذریعہ "مولانا میوزم" میں داخلہ دیا جانے لگا۔ اب ٹکٹ کے ذریعہ ہزاروں امیر و غریب مرد و زن اندر جاتے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحد مبارک پر فاتحہ پڑھ کر داخلِ حسنات ہوتے ہیں۔ ترکی میں مولانا کی ہمیشہ سے جو قدر و منزلت ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ سلاطین آلِ عثمان کی تاج پوشی مولانا کے احفاد ہی کے ہاتھوں انجام پاتی تھی۔ مثنوی معنوی کا ترکی ترجمہ ہر گھر میں رہتا ہے۔ کلام پاک کے بعد اسی کتاب کی سب سے زیادہ تلاوت ہوتی ہے۔ اس وقت مولانا کی اولاد میں حضرت ولد چلیبی سب سے معمر اور سب سے محترم بزرگ ہیں۔ افسوس ہے آج کل آپ بہت بیمار اور صاحبِ فراش ہیں۔

مولانا روم حضرت ابوبکرؓ کی اولاد میں ہیں، اس لئے آپ نسلاً عرب ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد ایک مدت تک ایران میں رہے آپ نے ایران میں پرورش پائی اور فارسی میں اظہارِ خیال کیا، اس اعتبار سے آپ ایرانی ہیں۔ بلخ میں پیدا ہوئے اس لئے وطناً افغانی ہیں۔ قونیہ ہجرت کی وہاں سے اور وہیں وفات پائی اس اعتبار سے آپ ترکی ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ آپ اپنے عالمگیر پیام کے لحاظ سے کسی ایک قوم یا ایک ملک کی ملک نہیں بلکہ عالمی ہیں اور سارے عالم کو ان کی ذات پر فخر ہے۔

مولانا کے فرزند سلطان ولد جو بعد میں طریقت مولویہ کے پیشوا تھے خود بھی بہت بلند پایہ عارف اور شاعر ہوئے ہیں آپ نے تین مثنویاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مثنوی ولدی یا ولد نامہ ہے۔ اس مثنوی میں آپ نے اپنے والد اور دوسرے اولیاء کے حالات بیان کئے ہیں اور صوفیانہ مطالب اور مقالات کی تفسیر کی ہے۔

سلطان ولد ترکی زبان سے واقف تھے اور ترکی میں شاعری بھی کی ہے ترکی ادبیات پر ان کا اثر بہت گہرا ہے۔ ترکی میں فارسی ادبیات کا ذوق عام کرنے والے عوامل میں ایک عامل آپ کی ذات کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ آپ نے سنہ ۱۲ء میں قونیہ ہی میں وفات پائی اور اپنے والد کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

مولانا جلال الدین کی شاعری کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ صوفیانہ عقاید کی شرح و تفصیل کے سوا اور کچھ نہیں۔ فارسی شاعری میں شیخ سنائی نے صوفیانہ شاعری کا قوام تیار کیا، شیخ عطار نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے لطافت بخشی اور اسے شعور و شوق کا مظہر بنایا اور مولانا جلال الدین نے اسے اوج کمال پر پہنچایا۔ فارسی شاعری کے ایک ہزار سالہ کارواں پر نظر ڈالیے تو بے اختیار آپ کہہ اٹھیں گے کہ فردوسی رزمیہ شاعری کا استاد ہے۔ خیام حکیمانہ رباعی کا بادشاہ ہے۔ انوری قصائد کا شہنشاہ ہے۔ نظامی بزمیہ اور عشقیہ داستان بیان کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے، سعدی اچھوتی نثر اور غزل کے مالک ہیں، حافظ عرفانی غزل کے آقا اور مولانا جلال الدین عرفانی مثنوی کے سرتاج ہیں۔

مولانا جلال الدین نے اپنی مثنوی کا بیشتر حصہ املا کرایا ہے اور حسام الدین اسے ضبط تحریر میں لاتے گئے ہیں۔ اس طرح چھ دفتر عالم وجود میں آئے ہیں۔ جن میں (۲۶) ہزار سے زیادہ اشعار ہیں اس مثنوی میں آپ نے اپنی پوری قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے اور کمال یہ ہے کہ دوسرے شاعروں کے برخلاف مولانا کی توجہ الفاظ کی زینت کی طرف بالکل نہیں رہی ہے یہ بھی واقعہ ہے کہ انھوں نے مثنوی کا وزن بھی اپنے مقصد کی ادائی میں آسانی کے لئے اختیار کیا ہے۔ آپ کا اصل مقصود شاعری میں کمال دکھانا نہیں بلکہ عرفانی مطالب کو بیان کرنا ہے، لیکن اس کے باوصف مثنوی شاعری کا ایک نہایت درجہ پاکیزہ نمونہ ہے۔ اسی لئے تو آپ خود فرما گئے ہیں ؎

شعر می گویم بہ از قند و نبات   من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

معانی اور حقائق عرفانی کے بیان کا شوق مولانا پر کچھ اس درجہ غالب تھا کہ لفظی آرائش، بندش اور عروض و قوافی کی قیود پر آپ کی کچھ ایسی توجہ نہیں رہی ہے چھبیس ہزار اشعار کے اس مجموعہ میں ہیں کچھ ایسے شعر بھی نظر آجاتے ہیں جو فصاحت لفظی، بندش الفاظ، ترکیبات اور قوافی کے لحاظ سے کچھ ایسے جاذب اور دلکش نہیں اسی حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے ؎

غیر نطق و غیر ایما و سجل!   صد ہزاراں ترجماں خیزد ز دل!

اور جہاں لطائف و معارف بیان کرنے کے لئے آپ نے خیال پیدا کرکے قال کی قید کو اٹھا دیا ہے وہاں قافیوں میں ہم آہنگی باقی نہیں رہی ہے، فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من!   گویدم مندیش جز دیدار من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرف وصوت وگفت را برہم زنم تاکہ بے ایں ہرسہ باتو دم زنم

صوفی شعرا کے لطائفِ سخن کے لئے عموماً اور مولانا کی تصانیف سمجھنے کے لئے خصوصاً اسلامی علوم سے گہری واقفیت، صفائے ضمیر، شوقِ معرفت اور ذوقِ وحدت کی صوفیانہ اصطلاحوں سے آگہی نہایت درجہ ضروری ہے۔ بس اسی صورت میں ان کی تصانیف پر سے راز کا پردہ اٹھ سکتا ہے۔ اس مختصر سے مقالہ میں مثنوی شریف کے مطالب وافکار کی شرح وتفصیل کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ اس کے لئے ضخیم سے ضخیم کتابیں بھی ناکافی ثابت ہوئی ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ دریا کو کوزے کے اندر سمائے تو کیسے سمائے ؎

گر بریزی بحر را در کوزۂ چند گنجد قسمت یک کوزۂ

اس لئے یہاں صرف چند اشارے پیش کئے جاتے ہیں اور عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے ؎

گر بگویم شرح ایں بے حد شود مثنوی ہفتاد من کاغذ شود

دنیا کی ہستی ایک ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود نہیں جو کچھ ہے درحقیقت خود اسی کی ذات ہے اور تمام دنیا اس کی جلوہ گاہ ہے۔ ہماری روح بھی اسی ہستی کی ایک شعاع ہے جو اپنے مبدءِ نور سے جدا ہو کر اس جہانِ ظاہر وکثرت وتعین میں آئی ہے۔ اسی لئے یہ اپنے دلدار کے شوق وعشق اور اس کے دیدار کی حسرت میں زندگی بسر کرتی ہے چاہتی ہے کہ جسم کے ظلماتی حجابات کو چاک کر کے اپنی اصل سے جا ملے۔ اس کے ہجر کے نالے ایسے ہی ہیں جیسے کہ نے کو نیستاں سے کاٹ لینے کے بعد سنائی دیتے ہیں۔ ظاہر بینوں اور کور دلوں نے اپنے مبدا اصلی کو فراموش کر دیا ہے اور روح کی پکار کا جواب دینے سے معذور ہیں

بشنو از نے چوں حکایت می کند از جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق
ہر کسی کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من بہرِ جمعیتی نالاں شدم — جفتِ خوش حالاں و بدحالاں شدم
ہر کسی از ظنِ خود شد یارِ من !! — وز درونِ من نجست اسرارِ من
آتش است ایں بانگِ نائی و نیست باد — ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد
آتشِ عشقست کاندر نی فتاد — جوششِ عشقست کاندر نی فتاد

وحدت کی یافت اور حقیقت کے ادراک کے لئے عشقِ سوزندہ چاہیئے کہ جس کی آگ تمام ہستی اور غرورِ جسمانی کو جلا کر خاکستر کر دے، فرماتے ہیں ؎

عشق ہائی کز پئی رنگی بود ! — عشق نبود عاقبت ننگی بود
خام را جز آتشِ ہجر و فراق — کہ پزد کہ وارہاند از فراق
چوں توئی تو ہنوز از تو نرفت — سوختنی باید تو را در نار تفت

جو ذات خداوندی کے عشق سے سرفراز ہوا وہ بتوں کی، اوہام اور نقشِ ظاہر کی پرستش کیسے کر سکتا ہے ؎

عاشقِ تصویر و وہمِ خویشتن — کے بود از عاشقانِ ذوالمنن
عاشقِ آں وہم اگر صادق بود — آں مجازش تا حقیقت می کشد

عاشقِ صادق کو اپنے آپ سے گذر جانا چاہیئے، یعنی اپنی تمام خواہشوں اور اپنی ساری غرضوں کو ختم کر دینا چاہیئے، کیونکہ ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد — صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

اسے چاہیئے کہ خود پسندی اور جاہ طلبی کے غرور سے باز آئے، اپنے علم کے فریب سے بچے اور اپنی ذات یعنی شہوانی ذات کو درمیان سے اٹھا دے اور مر جائے "تاکہ زندہ ہو سکے" ورنہ جب تک وہ ظاہر پرستی کے چکر میں پڑا رہے گا وہ زندہ نہ ہو سکے گا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک نحوی جو قواعدِ نحو کے لحاظ سے دوسروں کو جاہل بتاتا تھا، ایک بار کشتی میں سوار ہوا، اس خود پرست نے کشتی بان سے پوچھا کہ تو نے کبھی نحو بھی پڑھی ہے۔ بیچارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملاح نے جواب دیا نہیں پڑھی، کہا تو نے اپنی آدھی عمر ضائع کی۔ ملاح چپکا ہو رہا، تھوڑی دیر بعد کشتی گرداب میں جا پھنسی تو ملاح نے نحوی سے پوچھا آپ نے تیرنا بھی سیکھا ہے۔ جواب دیا نہیں۔ ملاح نے کہا افسوس تم نے پوری عمر ضائع کی۔ اب جانبازی کا وقت ہے، نحوی ہونے سے کچھ کام نہیں چلے گا، یہاں تو "محوی" کی ضرورت ہے۔ یعنی ایسے مردِ حقیقت پرست و شہوت کش کی ضرورت ہے جو گردابِ حوادث اور آزمائشِ زندگی سے اپنے آپ کو سلامت نکال لے جائے اور دوسروں کو بھی ان حوادث سے رہائی دلائے ؎

آن یکی نحوی بکشتی در نشست — رو بہ کشتیبان نہاد آن خود پرست
گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا — گفت نیم عمر تو شد در فنا
دل شکستہ گشت کشتیبان زتاب — لیک آندم گشت خامش از جواب
باد کشتی را بگرداب فگند — گفت کشتیبان بدان نحوی بلند
ہیچ دانی آشنا کردن بگو — گفت نی از من تو سباحی مجو
گفت کل عمرت ای نحوی فناست — زانکہ کشتی غرق این گرداب ہاست
محو می باید نہ نحو اینجا بدان — گر تو محوی بے خطر در آب ران
آبِ دریا مردہ را بر سر نہد — ور بود زندہ ز دریا کے رہد
چون بمردی تو ز اوصافِ بشر — بحر اسرارت نہد بر فرق سر
مرد نحوی را از آن در دوختیم — تا شما را نحو محو آموختیم

صوفیا نے ظاہر پرستی، ریا اور خود فریبی کے خلاف جتنا جہاد کیا ہے، شاید ہی کسی اور گروہ نے اتنا جہاد کیا ہو۔ ان کی نظر میں ساری دنیا ایک حقیقت کی مظہر اور ایک مشیت کی جلوہ گاہ ہے اس لئے اختلافِ امم اور فسانہ زندانِ بنی آدم کی دشمنیاں ان کے جہل اور ان کے غرور کا نتیجہ ہیں۔ اس کی وجہ وہی ظاہر پرستی اور وہی ان کے غلط قیاسات ہیں۔ ان لوگوں کا حال بقال کی طوطی کا سا ہے جو بڑی خوش نوا اور خوش رنگ تھی اور باتیں بھی خوب کرتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دن ایک بلی اس پر جھپٹی ۔ جان بچانے کے لئے طوطی جو بھاگی تو اس کی ٹکر سے روغن بادام کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ بقال نے روغن کا شیشہ جو ٹوٹا دیکھا تو مارے غصہ کے وہی شیشہ اٹھاکر طوطی کے سر پر دے مارا ۔ بے چاری طوطی گنجی اور گونگی ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد اتفاق سے ایک گنجے پریشان حال درویش کا ادہر سے گذر ہوا اسے دیکھ کر طوطی کی قوت گویائی واپس آگئی اور اس نے آواز لگائی افسوس تونے بھی روغن بادام کا شیشہ توڑا ، اسی لئے تو گنجہ بنا پھرتا ہے ! نادان لوگ بھی طوطی کی طرح دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتے ہیں ۵

بود بقالی و ورا طوطیی ! خوش نوا و سبز و گویا طوطیی !
بر دکان بودی نگہبانِ دکان نکتہ گفتی با ہمہ سوداگران !
در خطابِ آدمی ناطق بدی ! در نوای طوطیان حاذق بدی
گربہ بر جست ناگہ در دکان بہر موشی طوطیک از بیم جان
جست از صدرِ دکان سوئی گریخت شیشہ ہای روغنِ بادام ریخت
از سوی خانہ بیامد خواجہ اش بر دکان بنشست فارغ خواجہ وش
دید پر روغن دکان و جاش چرب بر سرش زد گشت طوطی کل زضرب
روزکی چندی سخن کوتاہ کرد ! مرد بقال از ندامت آہ کرد
ریش بر می کند و می گفت ای دریغ کافتابِ نعمتم شد زیرِ میغ
دست من بشکستہ بودی آن زمان چون زدم بر سر آن خوش زبان
ہدیہ ہا می داد ہر درویش را ! تا بیابد نطق مرغ خویش را
بعد سہ روز و سہ شب حیران و زار بر دکان بنشستہ بد نومید وار
می نمود آن مرغ را ہر گون شگفت تا کہ باشد کاندر آید او بگفت
جولقیی سر برہنہ می گذشت با سری بی مو چو پشت طاس و طشت
طوطی اندر گفت آمد در زمان بانگ بر درویش زد کہ ہی فلان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از چہ اے گل با گلاں آمیختی تو مگر از شیشہ روغن ریختی
از قیاسش خندہ آمد خلق را کو چو خود پنداشت صاحب دلق را
کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نبشتن شیر شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد

ہر جماعت کا یہی خیال ہے کہ اس کی فکر صالح ہے "کل حزب بما لدیہم فرحون" انسانی گمراہی بس یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ یہیں سے اختلافات رونما ہوتے ہیں اور یہیں سے لڑائی جھگڑے کی ابتدا ہوتی ہے اس لطیف نکتہ کو مولانا نے عجیب دلنشین انداز میں بیان کردیا ہے انسانیت کی نجات کے لئے ظاہر سے گذر کر حقیقت کا مشاہدہ ضروری ہے۔ لیکن حقیقت کو صرف حقیقت بین آنکھ ہی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسی نظر حاصل کرنے کے لئے ریاضت تہذیب نفس اور فضائل کا کسب لازمی ہے۔ ورنہ انسان سایہ کو حقیقت اور سراب کو آب سمجھنے لگے گا، نادان خیال کے پیچھے دوڑتے ہیں اور سایہ کو پکڑنا چاہتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرسکتے لیلیٰ کی دید کے لئے چشم مجنوں پیدا کرنا ضروری ہے۔ اسی نکتہ کو مولانا اس تمثیل سے واضح کرتے ہیں کہ لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی دیوانگی کا شہرہ ہوا تو بادشاہ وقت نے لیلیٰ کو دیکھنا چاہا۔ لیلیٰ حاضر کی گئی تو ایک کالی کلوٹی سی عورت کو دیکھ کر اسے بڑی حیرانی ہوئی اس نے لیلیٰ سے کہا تجھ میں تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی کہ تجھے دیکھ کر ایک اچھا خاصہ آدمی اپنے حواس کھو بیٹھے اور تیری محبت میں پاگل ہوجائے۔ لیلیٰ نے کہا تم مجنوں کہاں کہ میرے حسن کا نظارہ کرسکو۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی کز تو مجنوں شد پریشان و غوی
از دگر خوباں تو افزوں نیستی گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی
ہر کہ بیدار ست او در خواب تر ہست بیداریش از خوابش بتر
خفتہ آں باشد کہ او از ہر خیال دارد امید و کند با او مقال
مرغ بر بالا پران و سایہ اش می دود بر خاک پران مرغ وش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الٰہی صیاد آں سایہ شود   می دود چندان کہ بے مایہ شود

تیر اندازد بسوی سایہ او   ترکشش خالی شود در جست وجو

حقیقی بیداری کے لئے طاعت، عبادت، حق پرستی، تربیتِ نفس اور دردمندی لازمی ہے۔ ظاہر بین کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حق جوئی کا درد نہیں رکھتا ہے

ہرکہ او بیدار تر پر درد تر   ہرکہ او آگاہ تر رخ زرد تر

ظاہر ہے اس دردمندی اور ریاضت سے مقصد وظائف زندگی سے دست کشی یعنی توکل اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا نہیں۔ اس دنیا میں اسباب وعلل کا پتہ لگانا چاہیئے تاکہ حیاتِ جاوید کے مقدمے یعنی اس حیاتِ مستعار کے کام میں تعطل پیدا نہ ہونے پائے ہے

گفت پیغمبر با وازِ بلند   باتوکل زانوی اشتر ببند

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو   از توکل در سبب کاہل مشو!

در توکل جہد کسب اولیٰ تر است   زانکہ در ضمن محبت مضمر است

گر توکل می کنی در کار کن!!   کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

اس لئے درویشی اور عبادت الٰہی افلاس ونا داری، دریوزگی اور بے اسبابی کا نام نہیں بلکہ غرور وخود پرستی سے رہائی ہے اور ظاہر سے گزر کر خدا سے وابستہ ہو جانا ہے۔ مال دنیا وسیلہ ہے اور اسے جائز طور پر حاصل کرنا چاہیئے، انسان کو چاہیئے کہ خود مال پر مسلط رہے یہ نہ ہو کہ مال اس کی ذات پر مسلط ہو جائے اسی طرح خدا کے راستے میں زن وفرزند رکاوٹ نہیں ہیں۔ درویشی استغنا اور بے نیازی کا نام ہے، احتیاج اور ناداری کا نہیں ہے

چیست دنیا از خدا غافل بدن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال راکز بہرِ دیں باشی حمول!   نعم مال صالح خواندش رسول

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است

سچا صوفی ہر چیز کا مقصد اور اس کا محل جانتا ہے، وہ عالم باطن کے معنی، جہانِ ظاہر کا مطلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسباب و علل جاننے کی کوشش کرتا ہے، ایسی زندگی کا بیشتر حصہ خدمتِ خلق میں بسر کرتا ہے، امور میں تامل کرتا ہے اور آزمائش سے پہلے اپنے پیر و پیشوا کے آگے دم نہیں مارتا وہ کوئی دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ بسیار گوئی اور دانش کا دعویٰ ناپختگی کی علامت ہے جو بات زبان سے نکل گئی گویا تیر ہے جو کمان سے نکل گیا اس کے بعد پشیمانی سے کچھ حاصل نہیں آتا ؎

کودک اول چوں بزاید شیر نوش | مدتی خاموش باشد جملہ گوش
مدتی می بایدش لب دوختن | از سخن تا او سخن آموختن
نکتہ کان جست ناگہ از زبان | ہم چو تیرے دان کہ جست از کمان
درنگردد از رہ آں تیر ای پسر | بند باید کرد سیلی را ز سر

پس تامل و خاموشی اختیار کرنا اور نصیحت سننا ہی عارفوں کا آئین ہے کیونکہ بسیار گوئی، خودستائی اور دانش فروشی صاحبِ دل عارف کا شعار نہیں۔ وہ دل کو زبان پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ دل خدا کی جلوہ گاہ ہے اور جب خدا کے سامنے بندہ کا تعلق عالم الفاظ سے گزر کر قلبی ہو جاتا ہے تو اس میں یگانگی اور ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ ظاہر کا رنگ اور نیرنگی نابود ہو جاتی ہے، کیونکہ آدمی کا جدال و قتال اس کی منافقی اور زبان بازی کا نتیجہ ہے ؎

چونکہ بے رنگی اسیرِ رنگ شد | موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد

دل اور دل جمعی کا راستہ وحدت ہے، یہی اقوام کو بے گانگی سے یگانگی سکھاتی ہے، زبان اور ظاہر سے یہ ممکن نہیں ؎

ای بسا ہندو و ترک ہم زبان | اے بسا دو ترک چوں بے گانگاں
پس زبان ہم دلی خود دیگر است | ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

سرِ وحدت سے اتنی آشنائی اور عوالِ جمعیت سے اتنی آگاہی کہ انسان کثرات سے گزر کر جمع الجمع کے مقام پر پہونچ جائے بہت دشوار ہے۔ جب کسی کو یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے وہ ہر شخص کے آگے اس مقام کا راز بیان نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے لئے بڑی تربیت اور تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفس کی ضرورت ہے۔ اسی لئے صوفیوں کو اہل راز کہا گیا ہے ؎

گفت پیغمبر کہ ہر کو سِر نہفت　　زود باشد بامراد خویش جفت
دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود　　سرّ آں سرسبزیِ بستاں شود

رازِ عرفانی کے افشار میں دو برائیاں ہیں، ایک تو اہل ظاہر اور بے مغز پوست پرستوں کی طرف سے اور دوسرے اپنے آپ کو عالم ظاہر کرنے والوں کی طرف سے یہ لوگ جدل کے زور پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک عقل قیاس نور عرفان سے منور نہ ہو جائے، لاکھ عقل سر ٹپکے حق تک اس کی رسائی ممکن نہیں ؎

پای استدلالیاں چوبیں بود!　　پای چوبیں سخت بے تمکین بود

یہی سرِ عرفان اور راز ایمان ہے جو دیوان شمس تبریز میں شور انگیز غزلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ مثنوی میں حضرت شمس تبریز کا نام شاذ و نادر آیا ہے اور ان کی طرف نظر بالراست نہیں رہی ہے تو غزلیات میں راست شمس تبریز ہی پر ردوتاب اشعار کے مقصود و مخاطب ہیں۔ چند ایک غزلوں کے سوا ہر غزل اس کے نام پر ختم ہوتی ہے جو مولانا کا معشوق معنوی اور کعبۂ عرفانی تھا۔

غزلیات میں مولانا کی خاص خصوصیت وہ عاشقانہ جوش و خروش ہے جو ہر پڑھنے والے کے دل کو تڑپا اور اس کے احساسات کو گرما دیتا ہے۔ ہر غزل احساسات کی بھڑکتی ہوئی آگ اور جذب و حال کی زندہ تصویر ہے، اور بیشتر غزلیں روحِ سماع اور رقصِ عارفانہ سے لبریز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سرتاسر شور و شوق، جوش و خروش اور سوزِ عشق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ مولانا جلال الدین سے پہلے ایسا شوریدہ اور تڑپا دینے والا کلام شیخ عطار اور ان کے بعد سنائی کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملتا۔ سو ان شور انگیز غزلوں کا موضوع بھی وہی وصال حق اور وجود مطلق کا ادراک ہے اور ہر شعر سے ہجران یار و عشق دلدار ہویدا ہے جس کے مظہر آپ کے پیر و مرشد حضرت شمس تبریز ہیں۔ یعنی اس پرجوش کلام سے تو نشاط اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شوقِ دیدار ہویدا ہے تو کہیں ہجرانِ یار کا سوز و گداز کہیں اس پیرِ معنوی کی مجلس کا وجد آفریں ساز اس پر چھڑا جاتا ہے تو کہیں اس سے دوری اور اس کے فراق کا دل گداز نالہ بلند کیا جاتا ہے جذبات کی صداقت اور گہرائی نے کلام کو حد درجہ مؤثر بنا دیا ہے۔ ہر غزل کے دل آویز وزن ترنم اور جوشش دمادم سے روح کی آشفتگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ مثلاً یہ غزلیں ملاحظہ ہوں جن کے مطلع ہیں ؎

بیائید بیائید کہ گلزار دمید ست بیائید بیائید کہ دلدار رسید ست

مردہ بدم زندہ شدم گریہ بدم خندہ شدم دولتِ عشق آمد و من دولتِ پائندہ شدم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

عشق کی اس گیر و دار میں عارف کی سب سے بڑی پناہ گاہ دل کا کعبہ ہے اور وصالِ دوست کا قریب ترین راستہ دل کا راستہ ہے کیونکہ دل خدا کی جلوہ گاہ ہے، اسی لئے فرماتے ہیں ؎

طوافِ کعبۂ دل کن اگر دلی داری دلست کعبۂ معنی تو گِل چہ پنداری

طوافِ کعبۂ صورت حقت ازاں فرمود کہ تا بواسطۂ آں دلی بدست آری

ہزار بار پیادہ طوافِ کعبہ کنی قبولِ حق نشود گر دلی بیازاری

ز عرش و کرسی و لوح و قلم فزوں باشد دلِ خراب کہ او را بہ ہیچ نشماری

جو دل نہیں رکھتے اور صفائے درون سے محروم ہیں، خدا کی طلب میں نزدیک ترین راستہ گم کرکے دور کے راستے سے جاتے ہیں، یار کو گھر میں چھوڑ کر دنیا کے گرد گھومتے ہیں ؎

آنہا کہ طلب گارِ خدائید خدائید بیرون ز شما نیست کجائید کجائید

چیزی کہ نگردید گم از بہر چہ جوئید کس غیر شما نیست کجائید کجائید

در خانہ نشینید نگردید بہر کوی ! زیرا کہ شما خانہ و ہم خانہ خدائید

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو آلودہ قلب رکھتے ہیں، جو حلال اور حرام میں فرق نہیں کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کبھی حق کی تلاش میں ایک قدم نہیں اٹھاتے، جو عشق الٰہی سے محروم ہیں لیکن بظاہر نماز پڑھتے ہیں اور پوست پرستی کرتے ہیں۔ بے دلوں کی نماز کی قیمت چند حرکات سے زیادہ نہیں تو پھر ایسے لوگوں کی نماز جو ریاکاری سے پڑھتے ہیں، اور جو بظاہر زاہد اور باطن میں مردم آزار ہیں، کس شمار میں آسکتی ہے ؎

اگر نہ روی دل اندر برابرت دارم
من ایں نماز حسابِ نماز نشمارم

ز عشق روی تو من رو بہ قبلہ آوردم
وگرنہ من ز نماز و ز قبلہ بےزارم

مرا غرض ز نماز آن بود کہ پنہانی
حدیث درد فراقِ تو با تو بگزارم

وگرنہ ایں چہ نمازی بود کہ من با تو
نشستہ روی بہ محراب دل بہ بازارم

نماز کن بصفت چوں فرشتہ ماند و من
ہنوز در صفتِ دیو و دد گرفتارم

کسیکہ جامہ بہ سگ بر زند نمازی نیست
نماز من بچہ ارزد کہ در بغل دارم

ازیں نماز نباشد بجز کہ آزارت
ہماں بہ آں کہ تراہیش ازیں نیازارم

ازیں نماز ریائی چناں خجل شدہ ام
کہ در برابر رویت نظر نمی آرم

اشارتی کہ نمودی بہ شمس تبریزی
نظر بجانب ما کن غفور و غفارم

خلاصہ یہ کہ اس عارف کامل کے کلام کا موضوع وحدت پر نظر، رجوع بباطن ظاہر سے اعراض، خلوص وصفا کی تعلیم، ظاہر پرستی اور ریاکاری و بیرونی نمائش سے گذر کر کشایش درون سے ربط، تحمل آفاق سے صرفِ نظر اور نورِ اشراق کے نظارہ کی دعوت ہے، کیسے والہانہ اور وجدانی انداز میں فرماگئے ہیں ؎

ما دل اندر راہ مردان باختیم
غلغلے اندر جہاں انداختیم

آتشی اندر دلِ خلقاں زدیم
شورشی در عاشقاں انداختیم

خرقہ و سجادہ و تسبیح را!!
در خراباتِ مغاں انداختیم

داشتیم بر پشتِ خود بارِ گراں
شکر کاں بارِ گراں انداختیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبہ و دستار و علم و قیل و قال — جملہ در آب رواں انداختیم
از کمانِ شوق تیرِ معرفت — راستی سوی نشاں انداختیم
دست شستیم از ہمہ اسبابِ خود — آتش اندر خانماں انداختیم
دنیئ دون نزد دانا جیفہ است — جیفہ را پیشِ سگاں انداختیم
ماز قرآں برگزیدہ مغز را — پوست را پیشِ خساں انداختیم
ما بساطِ عشرت و ذوق و صفا — در سرای لامکاں انداختیم
بہر عشق شمس تبریزی لقب — غلغلے در آسماں انداختیم

وحی الٰہی

(جدید ایڈیشن)

تالیف مولانا سعید احمد صاحب ایم اے

مسئلہ وحی پر ایک محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر ایسے دلپذیر و دلکش انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے مطالعہ کے لائق کتاب کاغذ نہایت اعلیٰ، کتابت نفیس طباعت عمدہ

صفحات ۲۰۰ قیمت سے، مجلد للعہ

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com